www.rahimia.org

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیراعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ لاہور

جنوری 2018ء / ربیع الثانی 1439ھ جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 1

قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

فہرست مضامین

- سورت الٓمٓ البقرہ
- اسلامی اوصاف (1)
- حضرت عمارؓ اور اُن کی والدہ کا عظمتِ کردار
- شذرات
  - مذہبی جماعتوں کا طرزِ سیاست
  - بیت المقدس پر سیاست نہ کیجیے
  - فضول خرچی کی بدترین مثال
  - چیف جسٹس آف پاکستان کے تاثرات
- دنیا میں انسانی اعمال کی جزا وسزا
- حضرت گنگوہیؒ کی مصیبت پر دعا کی شرط
- بدلتا موسم
- عالمی سیاست میں ایشیا کی اہمیت
- انسانی ترقی کی معراج
- اسلام اور اجتماعیت
- تنظیم کے قرآنی اصول
- تقویٰ کا حقیقی مفہوم اور اجتماعیت
- رشتہ دار
- افاداتِ حضرت رائے پوری رابعؒ
- الصدر الشہید شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ
- اے شاہِ اُممؐ! تیری ہی اب بات چلے گی
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا:

''بار بار سچے جی سے توبہ کرو۔ اگر سچے جی سے توبہ ہو تو قبولیت کی توقع ضرور ہے۔ خواہ وہ گناہ پھر سرزد ہو جائے، مگر اس وقت اس کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ: ''اگر لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ اَور (دوسری) مخلوق گناہ کرنے والی پیدا کرتا، کہ وہ گناہ کرتے اور توبہ سے بخشے جاتے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 2328) اور اگر انسان سے گناہ نہ ہو تو وہ مَلکِ محبوس (قیدی فرشتہ) ہو جائے اور فرشتوں کی طرح وہ بھی ترقی نہ کرے۔ گناہ ہو جانا بھی انسان کی ترقی کے لیے بعض اوقات ذریعہ بن جاتا ہے۔ عاجزی کا احساس ہو جو عین مقصود ہے اور اُس دربار میں تو عاجزی ہی سب کچھ ہے اور تکبر ہی محرومی کا باعث ہے۔''

(۲۱ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ/ 19ر اگست 1946ء مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 157، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

سورت الٓمّ البَقَرَہ

یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی پہلی سورت ہے۔ قرآن حکیم کی یہ سورت بڑی عظیم الشان ہے۔ اس کی عظمتِ شان اور بلند مرتبت کی وَجہ سے ہی اسے ''فُسطاطُ القرآن'' (قرآن کا خیمہ) کہا جاتا ہے۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا: ''ہر ایک چیز کا ایک ممتاز و نمایاں حصہ ہوتا ہے۔ قرآن کی یہ خصوصیت کبریٰ اور علو و رفعت' سورت بقرہ کو حاصل ہے۔ اس میں ایک آیت تمام آیات کی سردار ہے اور وہ آیۃُ الکُرسی ہے۔'' (ترمذی) آپؐ نے فرمایا کہ: ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورت بقرہ کی تلاوت ہو، وہاں شیطان کا داخلہ بند ہوتا ہے۔'' (مسلم و ترمذی) نیز فرمایا کہ: ''دو چمکتی ہوئی روشن سورتیں؛ البقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرو۔ اس لیے کہ یہ دونوں قیامت کے دن سایہ کرنے والے دو بادلوں یا پرندوں کی طرح صف باندھی ہوئی ٹولیوں کی صورت آئیں گی۔ چناں چہ سورت البقرہ پڑھو۔ اس لیے کہ اسے پڑھنا باعثِ برکت ہے اور اسے چھوڑنا باعثِ حسرت ہے۔ اس سورت کو باطل لوگ نہیں پڑھ سکتے۔'' (رواہ مسلم)

اس سورتِ مبارکہ کا نام ''الٓمّ البقرہ'' ہے۔ اس کا آغاز الٓمّ حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ حضرت زید بن اسلمؓ نے فرمایا: ''حروفِ مقطعات سورتوں کے نام ہیں۔'' اکثر حضرات اور علم نحو کے ماہرین علما کی رائے یہی ہے۔ اسی کو حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''سورتوں کے شروع میں آنے والے حروفِ مقطعات سورتوں کے نام ہیں، جو اس سورت میں موجود مفصل مضامین کے اجمالی معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مصنّفین و مؤلفین اپنی تصنیفات کے نام کچھ اس طرح رکھتے ہیں کہ سننے والے کو اس کتاب کے مضامین کی حقیقت سمجھ میں آ جائے۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا نام ''الجامع الصّحیح المسند الخ'' رکھا ہے۔'' (الفوز الکبیر) علوم میں رسوخ اور مہارت رکھنے والے جمہور علمائے ربانیین نے ان حروف کے معانی اور مفاہیم بیان کیے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں: ''عربی وہ واحد زبان ہے، جس کا ہر حرفِ تہجی کسی اسم اور فعل کا حصہ بنے بغیر بھی اپنا ایک الگ معنی اور مفہوم رکھتا ہے۔'' یہی وَجہ ہے کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عربی کے حروفِ تہجی اور مقطعات کے مفاہیم ''الخَیرُ الکثیر'' کے آخر میں بیان فرمائے ہیں۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ الٓمّ کے تینوں حروف کا الگ الگ معنی بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہے کہ الٓمّ سے اس طرف اشارہ اور کنایہ ہے کہ عالم غیب سے اس متعین اور مخصوص عالَم میں نازل ہونے والا اللہ تعالیٰ کا ایسا صاف شفاف فیض ہے، جو لوگوں میں پائی جانے والی عادتوں اور علوم (کی تہذیب و تربیت) کے لیے متعین ہوا، جس نے انسانوں کے دلوں کی سختی کو تذکیراتِ الٰہیہ (قوموں کی تاریخ، انعاماتِ الٰہی اور موت کے بعد کے حالات) کے ذریعے سے توڑا، جس نے اُن کے فاسد اور غلط اقوال اور اُن کے ناقص اور بودے اعمال کو دلائل سے توڑا، جس نے نیکی اور بدی کی حدود اور دائرۂ کار کا تعین کیا۔ الٓمّ سے شروع ہونے والی سورتیں اسی اجمال کی تفصیل اور انھیں مبہم باتوں کی وضاحت پر مشتمل ہوتی ہیں۔'' (الفوز الکبیر)

قرآن حکیم میں الٓمّ سے شروع ہونے والی سات سورتیں ہیں۔ ان میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کے لیے سورت میں بیان کردہ مضمون کے کسی نمایاں اسم یا فعل کو الٓمّ کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ اس سورت کا نام الٓمّ البقرہ اس لیے ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے ایک فرد کے قتل کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے انھیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس واقعے کے ضمن میں انسان کی حیوانیت اور بہیمیت سے متعلق بُرے اَخلاق و افعال کی خرابی اور دلوں کی سختی بیان کی گئی ہے۔ گویا بہیمیت کو ذبح کرنے سے انسان کی مَلَکیت میں اُبھار پیدا ہوتا ہے اور دلوں کی سختی ختم ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں اعلیٰ اَخلاق؛ طہارت، اللہ کی طرف رجوع، سماحت اور عدالت پیدا ہوتے ہیں۔ نیز اس سے انسانی معاشرے میں سہولتوں کے چار ارتفاقات کا نظام وجود میں آتا ہے۔

اس سورتِ مبارکہ میں بہیمی عادات و اطوار رکھنے والے سخت دل منکرینِ حق؛ کافروں، منافقوں، یہود و نصاریٰ کے بداَخلاقی اور بداَعمالی پر مشتمل غلط افکار و اعمال کی نشان دہی کر کے انھیں ردّ کیا گیا ہے۔ خاص طور پر یہودیوں کی فرسودہ مذہبیت کے نتیجے میں انسانی معاشروں میں پیدا ہونے والی خرابیوں کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت پر مبنی تعلیمات کی طرف دعوت دی گئی ہے اور اس کی حقانیت اور جامعیت کو بیان کیا گیا ہے۔

اس سورتِ مبارکہ میں پانچ سو کے قریب احکامات بیان کیے گئے ہیں۔ پندرہ سے زائد اَمثال بیان کی گئی ہیں۔ اس میں جو معانی اور مضامین تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اُن کا اجمالی مفہوم الٓمّ البقرہ کے عنوان سے سامنے آ جاتا ہے۔ گویا کہ اس سورتِ مبارکہ کا یہ نام اپنے مسمّٰی کی پوری معنویت بیان کرتا ہے۔ اس طرح عالم غیب سے نازل ہونے والا یہ پیغامِ ربانی اس دنیا میں ایک متعین قانون کی شکل اختیار کرتے ہوئے اس مادی دنیا کے تمام غلط افکار و اعمال کا ردّ کرتا ہے اور اس عالم شہادی میں موجود انسانوں کی مَلَکیت پر مشتمل بنیادی اَخلاقِ (اربعہ) اور اَعمال کی پوری پوری نشان دہی کرتا ہے۔ انھیں عمل میں لانے کی تذکیر کرتا ہے اور انسانی معاشرے کو منظّم بنانے کے لیے ارتفاقاتِ اربعہ کی صورت میں ان کی تنظیم و تہذیب قائم کرتا ہے۔

یہ سورتِ مبارکہ فرد کی شخصی زندگی سے لے کر جماعتی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے تمام امور میں انسان دشمن قوتوں پر غلبہ پانے اور اسلام کی بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کے اصول اور ضابطوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس سورتِ مبارکہ کی آیاتِ مبارکہ غلبۂ دین کی معنویت کو مربوط طور پر بیان کرتی ہیں۔ یقیناً اس سورت کا مطالعہ قرآن حکیم کے آفاقی پیغام کو بڑی جامعیت کے ساتھ اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ میں منتقل کرتا ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

اسلامی اوصاف (1)

عن عبدِاللّٰه بن عَمْرٍو رَضِی اللّٰهُ عَنهُمَا أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَیُّ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ: ”تُطعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.“ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 12)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اسلام کی کون سی خصلت اہم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”کھانا کھلانا اور (ہر ایک کو) سلام کرنا، اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔“)

حدیث کے پہلے حصے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اسلام کے اہم اوصاف میں سے ایک یہ ہے کہ ضرورت مند انسان کو کھانا کھلایا جائے۔ اس حدیث میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک تو یہ کہ ایسا شخص جو بنیادی انسانی ضروریات پوری کرنے میں دشواریوں کا سامنا کر رہا ہو تو اس کی مدد کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ آپ اس کی وقتی ضرورت پوری کر دیں۔ اس کو کھانا کھلائیں، اس کے لباس کا انتظام کریں۔ اگر وہ بیمار ہے تو اس کے علاج کا انتظام کریں۔ دوسری توجہ طلب بات یہ ہے کہ ایسے شخص کو آمدن کا ایک معقول ذریعہ مہیا کیا جائے، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکے۔ اسٹیٹ یا پرائیویٹ شیئرنگ کے ساتھ تعاون کے اصول پر روزگار کے ایسے وسائل پیدا کر دیے جائیں کہ جس میں مال، جگہ اور دیگر ضروریات فراہم کر دی جائیں۔ ضرورت مند ذہنی یا جسمانی محنت کریں اور اس کے عوض انھیں معقول معاوضہ دیا جائے۔

اس طریقۂ کار کے کئی فوائد ہیں: ایک تو اس طریقے سے انسانوں کی عزتِ نفس قائم ہوتی ہے اور بے روزگار لوگوں کو لائنوں میں لگا کر دھکم پیل کے ماحول میں جس طرح ذلیل کر کے کھانا اور کپڑا دیا جاتا ہے اور تقسیم کرنے والا ناخدا بن کر بیٹھا ہوتا ہے، تذلیل اور بداَخلاقی پر مبنی یہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شریف النفس آدمی اس طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتا اور اسلام تو کسی کو بلاوجہ بُرے نام اور بُرے لقب کے ساتھ پکارنا گوارا نہیں کرتا۔ چہ جائے کہ اس کو اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی ساہوکار کے سامنے گھٹنے ٹیکنے اور اپنی عزتِ نفس مجروح کرنے پر مجبور کر دے۔ دوسرا یہ کہ انسان محنت کا عادی بنتا ہے اور دوسروں پر بوجھ بننے یا خیرات کے مال پر پلنے کا رجحان ختم ہوتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ایسے ضرورت مند لوگ معاشرے میں عضوِ معطل بننے کے بجائے معاشرے کا ایک مفید حصہ بن جاتے ہیں، جس سے ایک Productive عمل شروع ہوتا ہے۔ اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کے دینی اور انسانی فریضے کی ادائیگی کے ساتھ وہ شخص قومی معاشی سرکل میں اپنی InPut دینا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے ”تُطْعِمُ الطَّعَامَ“ کو محض انفرادی دائرے کے بجائے اجتماعی دائرے میں سمجھنے اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ (جاری ہے۔)

حکایاتِ صحابہؓ — مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عمارؓ

اور اُن کی والدہ کا عظمتِ کردار

آغازِ اسلام کے وہ واقعات جن میں جماعتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اُن کے گھرانوں نے اسلام کے لیے جو تکالیف اٹھائیں، وہ آج ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان قدسی صفات ہستیوں نے اللہ کے دین کے غلبے اور انسانیت کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ہمارے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے کہ انسان کی جانی اور مالی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، جسے اس کی مخلوق کی خدمت میں صَرف کرنا چاہیے۔ چناں چہ اسی سلسلے میں حضرت عمار بن یاسرؓ اور اُن کی والدۂ محترمہؓ کی پُرعزم جدوجہد ہمارے ایمان ونظریے کو تازہ کر دینے والی ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہٗ اور اُن کے ماں باپ کو بھی سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں۔ مکہ کی سخت گرم اور ریتلی زمین پر ان کو سزا دی جاتی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرف گزر ہوتا تو صبر کی تلقین فرماتے اور جنت کی بشارت دیتے۔ آخر ان کے والد حضرت یاسرؓ اسی حالتِ تکلیف میں انتقال کر گئے کہ ظالموں نے مرنے تک چین نہ لینے دیا۔ اور اُن کی والدہ حضرت سمیہؓ کی شرم گاہ میں ابوجہل ملعون نے ایک برچھا مارا، جس سے وہ شہید ہوگئیں، مگر اسلام سے انکار نہ کیا، حال آں کہ بوڑھی تھیں، ضعیف تھیں۔ مگر ابوجہل بدبخت جس کی عقل سرمایہ پرستی نے مار دی تھی، نے کچھ بھی خیال نہ کیا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان کی ہے۔

اسلام میں سب سے پہلی مسجد حضرت عمار بن یاسرؓ کی بنائی ہوئی ہے۔ جب حضور اقدسؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت عمارؓ نے کہا کہ حضورؐ کے لیے ایک سایہ دار مکان بنانا چاہیے، جس میں آپؐ تشریف رکھا کریں۔ دوپہر کو آرام فرما لیا کریں اور نماز بھی سائے میں پڑھ سکیں۔ تو قبا میں حضرت عمارؓ نے پہلے پتھر جمع کیے اور پھر مسجد بنائی۔ آپؓ ایسے ایمانی جذبے سے سرشار تھے کہ اسلام کے لیے برپا ہر معرکے میں آپؓ ایمانی جذبے سے شریک ہوئے اور مدِمقابل کو شکست دینے کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے۔ حضورؐ کے بعد خلفائے راشدین؛ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے زمانۂ خلافت میں ہر طرح کے جہاد میں شریک رہے اور مشقتیں برداشت کیں۔

اپنی شہادت سے پہلے ایک مرتبہ مزے میں آ کر کہنے لگے کہ: ”اب جا کر دوستوں سے ملیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی جماعت سے ملیں گے۔“ اتنے میں پیاس لگی اور کسی سے پانی مانگا۔ اُس نے دودھ سامنے کیا۔ اُس کو پیا اور پی کر کہنے لگے کہ میں نے حضورؐ سے سنا تھا کہ: ”تُو دنیا میں سب سے آخری چیز دودھ پیے گا۔“ اُس کے بعد شہید ہو گئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر چورانوے برس تھی۔

www.rahimia.org

شذرات

مذہبی جماعتوں کا طرزِ سیاست خطے میں دہشت گردی اور انتہا پسندی پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے پاکستان کے مقتدر اداروں نے یہ طے کیا کہ پاکستان میں موجود تمام پارٹیوں کو سیاسی عمل کا حصہ بنالیا جائے، تاکہ انتہا پسندی پر قابو پایا جاسکے۔ لیکن اب دوسری مشکل یہ آن پڑی ہے کہ مذہبی جماعتیں عوام کے مذہبی جذبات اپنے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے لگی ہیں۔ یہ طبقے اپنے احتجاج کے حق کو بھی ایسے بے ڈھنگے طریقے سے استعمال کرنے لگے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان میں آج کل مذہبی سیاست کے پیچھے بھی کوئی بڑا ہاتھ ہے، جو یقیناً مذہب دشمن قوتوں ہی کا ہے کہ وہ مذہبی طبقے کے ذریعے ایسی سیاست کو پروان چڑھا رہے ہیں کہ ملک کے مقتدر اور دانش ور طبقے یورپ کی طرح خود سے ہی طے کرلیں کہ ملک کی فضا کو مذہبی سیاست سے پاک کرکے سیاست کے پاؤں سے مذہب کی بیڑی نکال دی جائے۔ پھر علما کہتے پھریں گے کہ بہت بڑی سازش ہوگئی کہ سیاست میں مذہب پر پابندی لگادی گئی۔ آج وقت ہے کہ ہمارے علما سوچیں۔ ان کے پاس وقت ہے کہ وہ ایسی کسی سازش کے خلاف کردار ادا کریں، سازش میں استعمال نہ ہوں۔

بیت المقدس پر سیاست نہ کیجیے بین الاقوامی قوانین اور قومی جذبات کو کچل کر طاقت کے اندھے فیصلوں سے دنیا میں امن قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ جیسا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے بیت المقدس (یروشلم) کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرکے ایک نئے تنازعے کو جنم دیا ہے۔ اسرائیل کی ریاست جس پس منظر کی حامل ہے، اس کے باعث بیت المقدس کو اپنے دارالحکومت دیکھنے کی خواہش کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ اس ناجائز ریاست کو ہمیشہ وقت کے سامراج کی حمایت حاصل رہی ہے۔ چناں چہ اسرائیلی حکومت نے 1980ء میں ایک بل کے ذریعے اپنی پارلیمنٹ سے یروشلم کو اپنا دارالحکومت بھی تسلیم کروالیا تھا، لیکن اس وقت امریکا سمیت دنیا کے بیش تر ممالک نے اسرائیل کے اس فیصلے کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ امریکا کے موجودہ صدر نے اپنے فیصلے سے اس جلتے ہوئے لاوے پر پھر سے تیل ڈال دیا ہے۔ استعماری طاقتیں ہمیشہ سے قوموں کے درمیان تضادات کو انسانی بنیادوں پر حل کرنے کے بجائے ان کو مزید الجھاتی ہیں، تاکہ اپنی سامراجی سیاست کی بھٹی کے لیے مزید ایندھن فراہم کیا جاسکے۔ آج تک فلسطین کے اس مسئلے کو نہ سدھارنے میں عالمی سامراج کے ساتھ ساتھ مسلم ملکوں پر مسلط اشرافیہ بھی ذمہ دار ہے کہ وہ اس مسئلے پر بھی اپنا اقتدار بچانے کی سیاست کرتی ہے۔ مسلم دنیا کے مذہبی جذبات کو ابھار کر سامراجی ایجنڈے کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اب اس مسئلے پر تدبر کی ضرورت ہے کہ دنیا کو قومی، سیاسی اور اَخلاقی بنیادوں پر یہ باور کروایا جائے کہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت کیوں نہیں بنایا جاسکتا۔

فضول خرچی کی بدترین مثال چند روز پہلے نیویارک میں لیونارڈو ڈاونچی کی بنائی ہوئی کئی سو سال پُرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پینٹنگ کو 45 کروڑ ڈالر، تقریباً 46 ارب (پاکستانی) روپے میں سعودی شہزادے بدر بن عبداللہ بن محمد بن فرحان السعود نے خریدا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس کے اصل خریدار سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان ہیں، جنھوں نے اپنے دُور کے کزن بدر بن عبداللہ کو بہ طور نمائندہ بولی میں شریک کیا اور اس خریداری کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی، لیکن بعدازاں یہ راز دنیا کے سامنے افشاں ہوگیا۔ اسلام جو فضول خرچی اور نمود و نمائش کا سخت مخالف ہے اور تصویر کی چند مخصوص صورتوں میں اجازت دیتا ہے، اس کے نام لیوا اگر ایسی فضول خرچیوں پر خطیر رقم اُڑانے لگیں اور وہ بھی اسلام کے اوّلین مرکز کے شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد، تو مسلمان کس منہ سے غیر مسلم دنیا کو اسلام کی ان تعلیمات کہ ''اسلام شاہانہ فضول خرچیوں اور عیش پرستانہ طرزِ زندگی سے انسانیت کو نجات دلانے آیا ہے۔'' کی طرف متوجہ کریں گے۔ چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ آں حضرتؐ کی بعثت کے مقاصد میں ایک عیش و عشرت اور شاہانہ تکلّفات کے مرض کا خاتمہ اور ایران و روم کے نظاموں، جو اس وَبا کا شکار ہوچکے تھے، کی تباہی شمار کرتے ہیں۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

''بدقسمتی سے اہل ثروت اور حکمران طبقے میں عیش، فیشن اور اقتدار پرستی ایک دوسرے کے مقابلے میں تفاخر کا مرض پیدا ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس پر فخر ہونے لگا کہ کس کا تاج زیادہ قیمتی ہے اور کس کے تاج میں زیادہ جواہر ٹکے ہوئے ہیں۔'' یہ حیرت کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قوم سے قیصر و کسریٰ کے نظاموں کی تباہی کا کام لیا، آج وہ فیضانِ نبوت کے برعکس ان تباہ کن نظاموں کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔

چیف جسٹس آف پاکستان کے تاثرات چیف جسٹس آف پاکستان نے گزشتہ دنوں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے عدلیہ، وکلا کے رویوں اور ججز سے متعلق چند سوالات اٹھائے ہیں۔ انھوں نے نظامِ انصاف کی خامیوں کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ ادارہ معیاری انصاف دینے سے قاصر ہے۔ وکلا کے حربوں اور رویوں پر بات کرتے ہوئے انھوں نے ججز کو خریدنے، ڈھائی ڈھائی کروڑ معاوضوں کی وصولی، محض فیسیں بنانے کے لیے غیر ضروری کیسوں کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا اور خواتین ججز کے ساتھ ناروا سلوک، عدمِ برداشت، دھونس اور ڈھٹائی ایسے رویوں پر بھی بات کی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ہمارے قدیم پنچایت کے کلچر کی افادیت اور کردار کو بھی سراہا۔ انھوں نے حالیہ فیصلوں میں عدلیہ کے آزادانہ کردار کا تأثر بھی دیا، لیکن ان کے اس تأثر کا موجودہ فیصلوں کے اثرات و نتائج کے بعد وقت ہی بہتر فیصلہ کرے گا کہ عدلیہ آزاد تھی یا کسی دباؤ کا شکار۔

پاکستان کے نظامِ انصاف پر یہ تأثرات اور سوالات کسی عام آدمی کے نہیں، بلکہ اس ادارے کے سربراہ کے ہیں جو ججز اور وکلا کے کردار کا نگران ہے۔ اس سے قبل ہمارے سیاست دانوں کے متعلق بہت کچھ سامنے آچکا ہے۔ ہماری بیوروکریسی کے ''کارنامے'' بھی مخفی نہیں ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ہمارا سارا نظام کرپٹ ہوچکا ہے اور یہ چھوٹی موٹی سرجری کے بجائے مکمل نظام کی تبدیلی کا تقاضا کرتا ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

دنیا میں انسانی اعمال کی جزا و سزا

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجۃُ اللّٰہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

(جزا و سزا پر آیاتِ قرآنی) ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ''اور تم پر جو مصیبت آتی ہے تو وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے آتی ہے۔ اور وہ بہت سے گناہ معاف کردیتا ہے۔'' (القرآن 30:42) اور ارشادِ ربانی ہے: ''اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اُس کو جو اُن کے ربّ کی طرف سے (قرآن) نازل ہوا ہے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔'' (القرآن 66:5) مسکینوں کو صدقہ دینے سے روکنے والے باغ کے مالکان کے قصے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا ہے: (''پھر وہ آپس میں چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ تمھارے باغ میں آج کوئی محتاج نہ آنے پائے اور وہ سویرے ہی بڑے اہتمام سے پھل توڑنے کی قدرت کا خیال کر کے چل پڑے۔ پس جب انھوں نے اسے (تباہ و برباد ہوتے) دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم تو گمراہ ہوگئے، بلکہ ہم تو بدنصیب ہیں۔) (القرآن 68:27-23)

(جزا و سزا پر احادیثِ نبویہؐ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''اور اگر تم اپنے دل کی بات ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے، اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔'' (القرآن 284:2) اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ''جو کوئی بُرا کام کرے گا، اُس کی سزا دی جائے گی۔'' (القرآن 123:4) کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندے کے لیے سزا ہے۔ جیسے بخار اور مصیبت وغیرہ، حتیٰ کہ اپنی قمیص کی جیب میں رکھے ہوئے پیسوں کے گم ہونے پر ہونے والی گھبراہٹ بھی اس سزا کا حصہ ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اس دنیا میں اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے، جیسا کہ بھٹی سے سونا صاف ہو کر نکلتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر 1557)

قوتِ مَلَکیہ کے غلبے سے جزا و سزا کا احساس

(ان آیات و احادیث کا مطلب معلوم کرنے کے لیے) جاننا چاہیے کہ انسان کی قوتِ مَلَکیہ، اس کی قوتِ بہیمیہ میں چھپ جانے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ قوتِ مَلَکی اُس کے ساتھ باہم پیوست ہونے کے بعد قوتِ بہیمی سے جدا ہوتی ہے:

(الف) ایسا کبھی طبعی موت کے سبب سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ موت کے بعد قوتِ بہیمیہ کو غذا نہیں ملتی اور اُس کا تمام مواد بغیر کسی متبادل کے تحلیل اور فنا ہوجاتا ہے۔ نیز موت کے بعد اُس کے نفس پر بھوک، غذا سے سیری اور غصہ جیسے حالات بھی طاری نہیں ہوتے۔ ایسی صورت میں انسان پر عالَمِ قدس کا رنگ ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے۔

(ب) ایسا کبھی اختیاری موت سے ہوتا ہے۔ چناں چہ کوئی انسان (کم کھانے، کم سونے اور کم بولنے کی) ریاضت اور مشقت کے ذریعے اپنی بہیمیت توڑتا ہے۔ وہ اپنی مستقل توجہ عالم قدس کی طرف رکھے تو اُس پر مَلَکیت کی کچھ روشنی ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

دونوں قوتوں کے حوالے سے جزا و سزا کی کیفیت

(1) انسان کی (مَلَکیت اور بہیمیت پر مشتمل) ان دونوں قوتوں میں سے ہر ایک قوت کو اپنے مناسبِ حال اعمال اور اَخلاق سے سرور اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور اپنے مخالفِ حال اعمال و افعال سے ہر ایک قوت کو تنگ دلی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

(2) ہر ایک تکلیف اور لذت کی ایک خاص شکل و صورت ہوتی ہے، جس سے اُس کا اظہار ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ انسانی بدن کو جلانے والی تکلیف دہ (خِلط؛ سودا) غالب آجائے تو وہ اپنے بدن میں ٹوٹ پھوٹ محسوس کرتا ہے۔ بدن میں اگر صفرا غالب ہوجائے تو بے چینی محسوس ہونے لگتی ہے اور انسان خواب میں آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھتا ہے۔ جب کہ بلغم کے غلبے سے سردی اور ٹھنڈک کی تکلیف محسوس ہوتی ہے اور انسان خواب میں پانی اور برف دیکھتا ہے۔

اسی طرح جب انسان کی قوتِ مَلَکیہ ظاہر ہوتی ہے اور پھر اگر وہ طہارت اور خشوع وخضوع وغیرہ (سماحت اور عدالت) قوتِ مَلَکیہ سے مناسبت رکھنے والے اَخلاق اپنے اندر پیدا کرے تو اُسے جاگنے یا خواب کی حالت میں اُنس اور سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اور اگر اُس کے مخالف اور متضاد اعمال و اَخلاق کرے تو اعتدال سے متضاد کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اور ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو ذلت اور رُسوائی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کا غصہ ایک نوچنے والے درندے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور بخل ایک ڈسنے والے سانپ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جہاں تک انسانوں میں باہر سے آنے والی جزا و سزا کا تعلق ہے، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ دنیا میں جزا و سزا کا تعلق کائنات کے تمام اسباب کے جمع ہونے پر ہوتا ہے۔ جو آدمی ان تمام اسباب کا احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اُس کی نظروں کے سامنے ان اسباب کی بنیاد پر پیدا ہونے والا نظام موجود ہے تو وہ قطعی طور پر یہ جان لے گا کہ حق تبارک وتعالیٰ دنیا میں کسی نافرمان کو سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ البتہ دنیا میں قائم کردہ نظام کی رعایت ضرور رکھی جاتی ہے۔ چناں چہ جب کسی انسان کو جزا و سزا دینے والے تمام اسباب جمع ہوجائیں تو اچھے اعمال کرنے والوں کے سبب انھیں انعامات دیے جاتے ہیں اور بُرے اعمال کے سبب لوگوں کو سزا دی جاتی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو سزا دینے والے تمام اسباب جمع ہوگئے، لیکن وہ صالح آدمی ہے اور اُس کی نیکی کی وَجہ سے سزا کو روکنا بُرا بھی نہیں ہے تو اس کے نیک اعمال کو اُس کی مصیبتوں کو دور کرنے یا اُس میں کمی کرنے کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان کو انعام دینے والے اسباب جمع ہوجائیں، لیکن وہ انسان فاسق و فاجر تھا تو ایسی صورت میں اُس کے فسق و فجور کے سبب سے اُس نعمت کا رُخ پھیر دیا جاتا ہے۔ گویا کہ وہ اُس کام کے اسباب کی رُکاوٹ بن کر سامنے آگیا۔ یا کسی انسان میں اُس کے اعمال کی مناسبت رکھنے والے اسباب جمع ہوگئے، تو ایسے آدمی کو اپنے اعمال کو ترقی دینے کے لیے خوب امداد دی جاتی ہے۔ (جاری ہے۔)

(باب الجزاء علیٰ الأعمال فی الدّنیا، المبحث الثّانی)

www.rahimia.org

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مصیبت پر دعا کی شرط

انسان کو پہنچنے والی مصیبت پر بعض اوقات سبب معلوم نہیں ہوتا، حال آں کہ اس کا سبب اس کے اپنے اعمال ہی ہوتے ہیں، مگر ان پر توجہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کوئی مصیبت بھی تمھیں پہنچتی ہے تو وہ تمھارے اعمال کے سبب سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔'' (القرآن 42:30) ان گناہوں میں خصوصاً راہِ حق اور علمائے حق کی مخالفت اور بغض و عناد، اللہ کی پکڑ اور عذاب کا بڑا سبب ہے۔ درجِ ذیل واقعہ اس کی طرف نشان دہی کرتا ہے۔

''مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایک مرتبہ پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کی طرف سے تین لاکھ روپے کا مطالبہ ہوا۔ ان کے بھائی یہ خبر پا کر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی خدمت میں گئے۔ حضرت مولاناؒ نے وطن دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا: دیوبند۔ مولاناؒ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ: ''گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے؟ اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا؟'' انھوں نے عرض کیا: حضرت! یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی ہے۔ مولاناؒ نے ارشاد فرمایا: ''تم گنگوہ ہی جاؤ۔ تمھاری مشکل کشائی حضرت مولانا گنگوہیؒ کی دعا پر موقوف ہے۔'' میں اور تمام زمین کے اولیا بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔'' چناں چہ واپس ہوئے اور بہ وسیلہ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولاناؒ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میرا کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ قصوروار اللہ کے ہیں۔ اللہ سے توبہ کریں۔ بندہ بھی دعا کرے گا۔'' چناں چہ ادھر انھوں نے توبہ کی، ادھر مطالبے سے برأت کا کمشنر صاحب سے حکم آ گیا۔ (ارواحِ ثلاثہ، ص 225، از تحریرات بعض ثقات)

اس واقعے سے درجِ ذیل باتیں سیکھنے کے لائق ہیں:

1۔ اس واقعے میں حضرت گنگوہیؒ نے مولوی قاسم صاحب کو متنبہ کیا تم پر آفت کا سبب علمائے حق اور ان کی سرپرستی میں قائم صحیح دینی ادارے کی مخالفت ہے۔

2۔ جب تک سچی توبہ نہ کی جائے اور اہلِ حق کی مخالفت ترک نہ کی جائے تو ایسی مصیبتیں صرف دعاؤں سے ختم نہیں ہوتیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے دعا کی قبولیت کی یہی شرط بیان کی جیسا کہ حدیث پاک ہے ''من عادیٰ لِی ولیّاً فقد آذنتُه بالحرب.'' (بخاری) (جس نے اللہ کے ولی سے دشمنی مول لی تو اس سے میرا اعلانِ جنگ ہے۔)

3۔ کم از کم یہ ہے کہ اس کے سُوئے ایمان کا خطرہ ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ: ''جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان کا قبر میں قبلے سے منہ پھر جاتا ہے۔'' یوں بھی فرمایا کہ: ''جس کا جی چاہے دیکھ لے۔''

4۔ دورِ حاضر میں آزادی کے ہیرو علمائے ربانیین سے سچا تعلق قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی قدر کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

بدلتا موسم

پاکستان کے قیام سے ہی بہ حیثیتِ قوم ہم نے جب بھی ناکامی اور تباہی کا منہ دیکھا، اُس کی ذمہ داری کا تعین کرنے میں کبھی وقت نہیں لگایا۔ چناں چہ ہر ایسے واقعے پر نوعیت کے اعتبار سے بلاتأمل پڑوسیوں کی سازش قرار دے دیا جاتا ہے، جسے بین الاقوامی یا دشمنوں کی سازش سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور اگر نوعیت ایسی نہ ہو تو نتائج کو اللہ کی منشا قرار دے دیا جاتا ہے۔ یقیناً ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، لیکن یہ مرضی بھی کسی نظام کے تحت بروئے کار آتی ہے۔ اگر ریکٹر سکیل پر 7.1 کا زلزلہ جاپان میں آئے تو وہاں 6 افراد لقمہ اجل بنیں اور پاکستان میں آئے تو تاریخ بن جائے اور 80 ہزار افراد ہلاک ہو جائیں، اور اتنی بڑی تباہی آئے کہ 12 سال بعد بھی متأثرہ علاقے اُس سے پیدا ہونے والے معاشی خلا سے نہ نکل سکیں۔ یوں ہی انڈونیشیا میں سونامی آئے تو بحرِ ہند کے ساحلوں پر غریب ممالک میں بسنے والے 250,000 لوگ لقمہ اجل بن جائیں، لیکن یہی سونامی امریکا میں آئے تو خبر بھی نہ بنے اور کوئی بھی جان سے نہ جائے۔ کیا جاپان میں اللہ کی منشا الگ ہے اور پاکستان میں الگ؟ یہ حقیقت ہے کہ دورِ جدید میں انسانی زندگی کی نوعیت مغربی ممالک میں پاکستان سے کہیں بہتر ہے۔ اُن ممالک میں بہتر منصوبہ بندی کے تحت کام کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں سازشیں کم ہوتی ہیں اور کام زیادہ۔

قدرتی آفات تو درکنار، قدرت کے فراہم کردہ وسائل سے انسانی سہولیات جیسے بجلی، پانی، رہائش وغیرہ پر بھی منصوبہ بندی کا فقدان نظر آتا ہے۔ چناں چہ ڈیم نہ ہونے کی وجہ سے سالانہ بنیادوں پر دو کروڑ ایکڑ زمین کو سیراب کرنے کے قابل پانی سمندر میں بہا دیا جاتا ہے اور حالیہ سالوں میں ہر دو یا تین سالوں میں بدترین سیلابوں کا سامنا کیا جا رہا ہے، لیکن وہ منصوبہ بندی جس پر گزشتہ تیس سالوں سے توجہ دی جا رہی ہے، اُس کا اجرا تک نہیں کیا گیا۔ ماہرین کے مطابق 2025ء کے بعد پانی کی کمی کا مسئلہ بڑے پیمانے پر نقل مکانی اور معاشی ابتری کو فروغ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ تو ملکی سطح ہے، ہماری مقتدرہ کا حال یہ ہے کہ صرف گوادر کے پانی کا مسئلہ جو ملکی سطح سے کہیں چھوٹا ہے، کا شور گزشتہ سال کے دوران بیسیوں دفعہ اٹھایا گیا ہے اور حکومتی وعدوں کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن مسئلہ ہے کہ جوں کا توں ہے اور معاشی ترقی کے خواب ہیں کہ شرمندۂ تعبیر ہوا ہی چاہتے ہیں، وہ بھی صرف بیانات کی حد تک۔ جس ملک میں دریاؤں کی زمین کو بیچ دیا جائے اور وہاں رہائشی سکیمیں بن جائیں اور جہاں زلزلوں کے حوالے سے متحرک علاقوں میں بلڈنگ کوڈ وضع کیے بغیر تعمیرات ہو جائیں اور اس پر کوئی منصوبہ بندی نہ کی جائے اور اگر کی بھی جائے تو اپنوں کو نوازنے کے لیے اور نوکریاں دینے کے لیے تو وہاں اللہ کے قہر کے لیے تیار رہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ غفلت یا عدمِ منصوبہ بندی کو معاف نہیں کرتا اور نتیجتاً معاشی بدحالی اور موت انسانوں کا مقدر بنتی ہے۔

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

عالمی سیاست میں ایشیا کی اہمیت

قوموں کے وسائل پر قبضہ کرنے کے لیے امریکا بہ شمول یورپ نے علاقائی سطح پر دفاعی جنگی حکمتِ عملی کا ایک نظام تشکیل دے رکھا ہے، جس کے تحت مختلف اتحاد قائم کیے گئے۔ جنھیں وسائل فراہم کرکے متعین اَہداف کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا۔ گزشتہ صدی میں سرمایہ دار ممالک کی چھتری کے تحت تشکیل پانے والے علاقائی اتحادوں میں نمایاں نام آسیان (ASEAN)، سارک (SAARC)، سیٹو (SEATO)، سینٹو (CENTO)، نیٹو (NATO)، بغداد پیکٹ (BUGHDAD PACT)، جی سی سی (GCC)، عرب لیگ (ARAB LEAGUE) وغیرہ تھے۔ جب کہ حالیہ صدی میں اُبھرنے والے فورمز میں ایسٹ ایشیا کانفرنس، ایشیا پیسفک اکنامکس کوآپریشن، ٹرانس پیسفک ٹریڈ ایگریمنٹ، زون آف انفلوئنس، پائیووٹ، انڈو پیسفک، نیف ٹاو غیرہ شامل ہیں۔

تمام اتحاد اپنے پس منظر میں موجود اقتصادی ڈھانچے کی حفاظت کے ظاہری نظام کا نام تھے۔ مغربی یورپ بہ شمول امریکا میں صنعتی انقلابات کے نتیجے میں جس نظام نے تقویت حاصل کی، وہ سرمایہ داریت کہلایا۔ یہ نظام اپنے فلسفے کے اعتبار سے چند ہی سالوں میں دنیا کی دولت کے ارتکاز کا ذریعہ بنتا چلا آرہا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے نتیجے میں عام آدمی کی قوتِ خرید سلب ہوجاتی ہے۔ نئی معاشی سرگرمیوں کا فروغ پانا تو درکنار، عوام کے پاس روزمرہ زندگی کی بنیادی ضروریات کے لیے بھی وسائل دستیاب نہیں رہتے۔ معاشی سرگرمیاں ماند پڑنا شروع ہوجاتی ہیں۔ جب کہ فرانسیسی معیشت دان جین بیپٹسٹ سے (Jean Baptiste Say 1767-1832) المعروف جے، بی، سے، نے منڈیوں کا قانون (Law of Markets) متعارف کروایا۔ جس کے بنیادی نظریے کو اجمالی انداز سے جان مینرڈ کینز (John Maynord Keynes) نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ: ''رسد اپنی طلب خود پیدا کرلیتی ہے۔''، یعنی اشیا و خدمات جب پیدا ہوتی ہیں تو اسی لمحے ان کے خریدار بھی وجود میں آجاتے ہیں۔ 1803ء میں اس کی کتاب شائع ہوئی، جس کا نام (A Treatise On Political Economy) تھا۔ یورپ نے گزشتہ صدی میں جن دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں کے نتائج کا سامنا کیا ہے، یہ جنگیں عالمی استعماری قوتوں کے معاشی مفادات کے ٹکراؤ کا نتیجہ تھیں۔ جس نے کروڑں انسانوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ یورپ خود تو اتحاد بنا کر آئندہ کچھ عرصے کے لیے جنگ کی ہولناکیوں سے نکل گیا، لیکن معاشی جنگوں کی لپیٹ سے اپنے فلسفے کے باعث باہر نہ جاسکا۔ اپنی جنگی جنونیت کو جلا دینے کے لیے ایشیا کو بہ طور جولان گاہ استعمال کرتا چلا آرہا ہے۔

عالمی میڈیا ہاؤسز جو آزاد صحافت کے نام پر ان ممالک سے کھربوں روپے وصول کرتے ہیں، وہ دنیا کو تصویر کا صرف وہی رخ دکھاتے ہیں، جو یہ ادارے اور ممالک دکھانا چاہتے ہیں۔ آج امریکا اور اس کے اتحادیوں نے مشرقِ وسطیٰ میں عراق، شام، یمن، لیبیا اور افغانستان میں بم اور میزائل مار مار کر جس طرح کھنڈر بنایا ہے، جن عمارتوں کو تباہ و برباد کرکے ملبے کا ڈھیر بنایا گیا، ان مکینوں کی کیا حالت ہوگی۔ انسانوں کی کتنی بڑی تعداد ان ممالک کے مقتدر طبقے کی ہوس کا نشانہ بنی۔ یہ سب کچھ ان کے کیمروں کو نظر نہیں آتا؟ اگرچہ اقوامِ متحدہ کا ادارہ کسی باقاعدہ تیسری عالمی جنگ کو روکنے میں تو کامیاب دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ ان بھیڑیا نما خصلتوں کی حامل اقوام کی ہوسِ اقتدار میں آلہ کار کا کردار ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ٹرمپ اپنے عالمی سفر کا آغاز چین سے کرنا چاہتا تھا، لیکن چوں کہ وہ اپنی سیاسی حیثیت کو بھی دنیا کے سامنے ماند نہیں ہونے دینا چاہتا، لہٰذا اس نے دورے کے دوران چین کے حوالے سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی ایشیا کے باقی چھوٹے ممالک جیسے جنوبی کوریا، ویت نام اور فلپائن وغیرہ ہیں، اس طرح کا ہی ایک ملک ہے۔ حال آں کہ آج چین نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے بہت بڑا ہے، بلکہ معاشی منڈی کے طور پر بھی ایک وسیع و عریض خطہ بن چکا ہے۔ ایشیا رقبے کے اعتبار سے دنیا کے جغرافیے کا 30 فی صد اور آبادی کا 60 فی صد حصہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ دنیا میں معدنیاتی وسائل پیشِ نظر ہوں یا انسانی، دونوں اعتبار سے ایشیا سرِفہرست اور مالا مال ہے۔ ایشیائی ممالک کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ٹرمپ کا صدر بننے کے بعد پہلا دورہ بھی ایشیا سے ہی شروع ہوا اور جب وہ دوسرے دورے کی ابتدا کرنے جارہا ہے تو بھی ایشیا ہی کو منتخب کر رہا ہے۔

ٹرمپ نے اپنی نئی اقتصادی پالیسی کی بنیاد تو ''امریکا فرسٹ'' کے عنوان سے رکھی ہے اور کہتا ہے کہ ''کسی ملک کی دوستی یا دشمنی امریکا کو خسارہ برداشت کرنے پر آمادہ نہیں کرسکتی۔''، چین نے امریکا کو 2016ء میں 462.8 ارب ڈالر کی اشیا و خدمات برآمد کیں، جب کہ امریکا نے اسی سال چین کو 115.8 ارب ڈالر کی اشیائے خدمات برآمد کیں۔ اس طرح امریکا کو مجموعی طور پر ایک سال میں چین کے ساتھ تجارت کرنے میں 347 ارب ڈالر کا خسارہ برداشت کرنا پڑا ہے۔ یہی صدر اپنی انتخابی مہم کے دوران امریکی تجارتی خسارے کا ذمہ دار چین کو کہتا رہا ہے، جب وہ چین کے دورے پر تھا تو اس کا لب و لہجہ ہی بدل چکا تھا۔ امریکی صدر 11 نومبر 2017ء کو چین کے ''گریٹ ہال'' میں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ چین کی امریکا کے ساتھ تجارت ''یک رُخی'' اور ''غیر متوازن''۔ ایک لمبا وقفہ لینے کے بعد کہتا ''لیکن''، ''میں چین کو اس کا قصوروار نہیں کہتا۔'' بہر حال اگر کوئی دوسرے ملک سے فوائد حاصل کرتا ہے تو اسے قصوروار نہیں، بلکہ میں تو چین کو تو اس کے اس عمل پر خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔'' (I give china great credit) آج ایشیا ایک ملک کی سیاست نہیں کر رہا، بلکہ وہ اقوامِ عالم کے معاشی اور سیاسی مفادات کی حفاظت کا ایک خود کار نظام متعارف کروانے جارہا ہے۔ جلد یا بہ دیر امریکا اور یورپ کو اس نظام کے تابع کردار ادا کرنا ہوگا۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

انسانی ترقی کی معراج

3 /نومبر 2017ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! انسان کی کامیابی اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کرنے اور اللہ کے تعلق سے انسانیت کی خدمت اور انسانوں کے کام آنے میں ہے۔ انسانیت اللہ کو محبوب ہے، اس لیے انسانیت کا دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونا منشائے الٰہی ہے۔ انسان حقیقت میں وہی ہے، جو ترقی چاہتا ہے۔ کامیابی کی منازل طے کرتا ہے۔ آگے بڑھتا ہے۔ اور یہ ترقی نہ صرف دنیا میں، بلکہ موت کے بعد کے مراحل میں بھی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ وہ انسان جو ترقیات کا طالب نہ ہو۔ اعلیٰ مقام کے حصول کے لیے جدوجہد اور کوشش نہ کرے، وہ حقیقت میں انسان نہیں ہے۔ اس پر رجعت پسندی پر مبنی حیوانیت کا تسلط ہے۔ اس پر پستی، ذلت، غلامی کو قبول کرنے کی عادات —— جو دراصل شیطانی اثرات ہیں —— حاوی ہیں۔

انسان کی ترقی کا عالم تو یہ ہے کہ جب وہ جنت میں پہنچ جائے گا تو وہاں پر بھی وہ ترقی کا طالب رہے گا۔ وہاں بھی اس میں نئی سے نئی چیزوں کو حاصل کرنے اور ہر پہلے مرحلے سے اگلے مرحلے کے لیے بڑھنے کی اعلیٰ درجے کی طلب رہے گی۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ایک جنتی اللہ سے فرمائے گا کہ میری خواہش ہے کہ میں فصل اُگاؤں۔ کاشت کروں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہاں تیری ہر خواہش کے مطابق ہر چیز تجھے مل رہی ہے۔ کھانے پینے کی فراوانی ہے۔ پھر بھی تیری یہ خواہش ہے کہ تو ڈھیروں غلہ پیدا کرے۔ مزید نئی چیزیں تجھے ملیں۔ وہ کہے گا میرا جی چاہتا ہے۔ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ جو خواہش کرو گے، وہ تمھارے لیے ہوگا۔ تو اللہ پاک کہیں گے کہ چل بھئی! کرلے تو کاشت۔ وہ فصل کاشت کرے گا اور وہ کچھ ہی لمحوں میں تیار ہوکر، کٹ کر، بڑے بڑے ڈھیر لگ جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ''لایشبعک بطنک.'' (اے ابن آدم! تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔)

جنت میں بھی ہے، تمام انعامات بھی ہیں، پھر بھی مزید سے مزید کی طلب اور تڑپ موجود ہے۔ انسان میں ترقی کی یہ طلب اور تڑپ موجود ہے تو حقیقت میں وہ جنتی ہے۔ اور درحقیقت جہنمی وہی ہے، جس میں ترقی کی کوئی تڑپ نہیں۔ وہ مایوسی، خوف، غلامی، پستی، بزدلی، مرعوبیت جیسے امراض سے دوچار ہے۔ پستی کے ساتھ اُس نے صلح کرلی۔ غلامی کے ساتھ اُس نے اپنے آپ کو وابستہ کرلیا۔ اذیتوں اور تکلیفوں کو اپنا مقدر سمجھ کر اُس کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیا۔ اس سے نکلنے، آگے بڑھنے کا کوئی جذبہ اس میں موجود نہ ہو۔ یہی بداَخلاقیاں دنیا میں جہنم پیدا کرتی ہیں اور یہی بداَخلاقیاں آخرت کی جہنم پیدا کرنے کا سبب ہیں۔''

اسلام اور اجتماعیت

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

''اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت اجتماعیت ہے، انفرادیت نہیں ہے۔ فرد کا تعلق اجتماع سے ہے۔ اجتماعیت ترقی کرتی ہے تو انسانیت ترقی کرتی ہے۔ انفرادیت پیدا ہوتی ہے تو دراصل انسانی ترقی کے راستے کی رُکاوٹ کھڑی ہوتی ہے۔ انسان اپنی تمام ضروریات کے لیے دوسرے انسانوں کا محتاج ہے۔ اس لیے اجتماعیت ہوگی تو سوسائٹی ترقی کرے گی۔ ہر اجتماعیت ایک تنظیم اور سسٹم کا تقاضا کرتی ہے اور دین اسلام اس اجتماعیت کے لیے ایک مکمل نظامِ حیات اور سسٹم فراہم کرتا ہے۔

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ غلامی کے دوسو سال میں ہمارے دماغوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ دین کا سسٹم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں کہا گیا کہ دین اپنا اپنا۔ اپنی نماز، اپنا روزہ، اپنا حج، اپنی عبادت، اپنے اَخلاق، اور پھر مذہبی لوگوں کو ہمارے پیچھے لگا دیا کہ ہر آدمی انفرادی طور پر نیک ہوجائے۔ دوسو سال سے غلامی کا نظام ہم پر مسلط ہے۔ برطانوی سامراج کا نظام اس برعظیم پاک و ہند میں رہا۔ وکٹورین کلچر کی بنیاد پر طبقاتی نظام اس خطے پر غالب رہا کہ کچھ کے پاس کچھ اختیارات اور کچھ کے پاس کچھ نہیں۔ کوئی طاقت کا استعمال کرنے والا اور کوئی کمزوری اور پستی کے ساتھ صلح کرنے والا۔

اسی طرح دوسو سالہ غلامی کے زمانے میں دین کو بہ طور سسٹم کے پیش نہیں کیا گیا۔ مذہب کے نمائندے کو صرف اذانیں دینے اور رسمی طور پر دو رکعات نماز ادا کرنے کا امام بنادیا۔ اُس امام کی عزت صرف اتنی ہی ہے، جو کسی حقیر سمجھے جانے والے ملازم کی ہوتی ہے۔ جو اُس گاؤں کا جاگیردار ہے، اس کے پاس ساری طاقت ہے۔ وہاں کی انجمن کا صدر جو اُس تجارت کے نظام پر سب سے زیادہ بدعنوان ہے، وہی مسجد کا حکمران ہے۔ اس طرح مسجد کی روح نکال دی گئی اور لوگوں سے کہا گیا تمھارا کام یہی ہے کہ تم بستر اٹھا کر دعوت دو اور انفرادی طور پر خود نیک ہوجاؤ۔ حال آں کہ ظلم کے سسٹم میں اجتماعی طاقت سے ظلم ختم کیے بغیر انفرادی نیکی کیسے نتائج پیدا کرے گی!؟

عجیب بات ہے کہ دنیا کے تمام معاملات میں تو سسٹم کی بات کی جاتی ہے۔ ہیلتھ سسٹم، ایجوکیشن سسٹم، امن وامان کے لیے سیکیورٹی سسٹم ہونا چاہیے۔ سیاست کے لیے سیاسی نظام ہونا چاہیے، چاہے جھوٹ کی سیاست ہو۔ لیکن دین بے چارہ یتیم اور غریب سمجھا جاتا ہے۔ کیا اس کے لیے کسی سسٹم اور اجتماعیت کی ضرورت نہیں ہے؟ جو فکر و عمل جتنا زیادہ بلند ہوتا ہے، اتنا ہی زیادہ اس کے لیے سسٹم قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب لوگ انفرادی طور پر نیک ہوجائیں تو سارا معاشرہ نیک ہوجائے گا۔ کیسے ہوجائے گا؟ کیا حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ تک کسی نبی نے آکر اس طریقے سے دعوت دی ہے، جس طرح غلامی اور پستی کے ماحول میں آج کے مذہبی طبقے کا اندازِ دعوت ہے؟ نہیں! بلکہ انبیا علیہم السلام نے قوم کی اجتماعی تنظیم کی ہے، نظام اور سسٹم تشکیل دیے، حکومتیں قائم کیں، تبھی سوسائٹی کامیابی کے مراحل طے کرتی رہی ہے۔''

www.rahimia.org

تنظیم کے قرآنی اصول

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے خطبہ جمعہ دیتے ہوئے مزید فرمایا:

''حضور اقدس ﷺ کے بعد سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے زوال تک مسلمانوں میں کوئی ایسا دور نہیں گزرا کہ جب مسلمانوں کی حکمرانی یا اتھارٹی موجود نہ رہی ہو۔ زوال کا زمانہ تو اب شروع ہوا۔ اور جب قوموں پر زوال آتا ہے تو انھیں اپنی اصل کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔ اس کے بغیر بقا کا راستہ نہیں۔ ایسی حالت میں کیا غلامی کے نظریات قبول کر لیے جائیں؟ نہیں! بلکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (200:3)

(اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں مضبوط رہو اور لگے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے، تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔)

تمھاری کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ انسانی ترقی کا جو نظریہ تم نے ایمان کی صورت میں قبول کیا ہے، اس پر جماؤ، استقامت اور صبر اختیار کرو۔ صبر کا لغوی معنیٰ 'جماؤ' اور رُک جانا ہے۔ اپنے نظریے، اپنی سوچ، اپنے فکر پر ڈٹ جانا ہے۔ کتنے ہی مخالفانہ طوفان اُبھریں، لیکن آدمی اپنے نظریے پر جماؤ اختیار کرے۔ حکومتیں بدلیں۔ سسٹم کا تسلط ہو۔ غلامی آئے، لیکن اپنا نظریہ نہ چھوڑے۔ یہ ہے: اصْبِرُوْا۔

اگلا جملہ صَابِرُوْا ہے، یعنی اگر جماعت نہیں ہے تو دوسروں کو اپنے ساتھ شامل کر کے جماعت بناؤ۔ یہ اجتماعیت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر فرد ہی کو پیش نظر رکھنا تھا تو ہر فرد خود اپنی جگہ صبر کرتا تو کافی ہو جاتا، یہ صَابِرُوْا اس لیے کہا گیا کہ اپنے اجتماع کے تمام لوگوں کو اپنے نظریے، سوچ، اپنے دین، اپنی فکر پر ثابت قدم رکھنے کے لیے کام کرو۔ کیوں کہ اکیلا فرد اگر درست ہو بھی جائے، ڈٹ بھی جائے، لیکن پوری ٹیم میں نظریاتی استقامت نہیں ہے تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کو جماعت بنا کر رہنا ہے۔ جماعت کی اتنی اہمیت ہے کہ نبی بھی اکیلا نہیں ہوتا، بلکہ جماعت بناتا ہے۔ امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر اعلیٰ درجے کا کوئی انسان نہیں ہو سکتا، لیکن قرآن حکیم نے جہاں حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ کیا ہے، وہاں ساتھ ہی کہا: ''محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھ جو لوگ ہیں۔'' (29:48) جماعت کا اسوۂ حسنہ بتایا جا رہا ہے کہ نبی ہیں اور ان کے ساتھ ان کی جماعت ہے اور جماعت سے ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اسی کو صَابِرُوْا کہا گیا۔

جب صبر و استقامت سے جماعت وجود میں آتی ہے تو قرآن نے تیسرا جملہ بولا کہ رَابِطُوْا۔ رابطہ رکھو۔ رابطے سے تنظیم قائم ہوتی ہے۔ سسٹم کے لیے رابطہ ضروری ہے۔ بالائی نظم کا زیریں نظم سے اور زیریں نظم کا بالائی نظم سے باہمی رابطہ ہوتا ہے۔ جو اس ربط کے لیے سسٹم بنایا ہے، اس سسٹم کی پاسداری کرو۔ تنظیم پیدا کرو۔ اگر نچلی انتظامیہ بالائی نظم سے رابطہ نہیں رکھتی اور اوپر سے نیچے احکامات نہیں آتے تو اجتماعیت کیسے ہوئی؟ اس طرح ''رَابِطُوْا'' اجتماعیت قائم رکھنے کا حکم ہے۔''

تقویٰ کا حقیقی مفہوم اور اجتماعیت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'' (اللہ سے ڈرو۔) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے ''غُنِية الطالبين'' میں تقویٰ کی تشریح کی ہے کہ تقویٰ میں تین چیزوں کا لحاظ ضروری ہے: 1۔ صحیح اور غلط میں تمیز پیدا کرنے کا شعور۔ 2۔ نیکی کو غالب کرنے، اس کا نظام بنانے اور بدی کے سسٹم کو توڑنے کے لیے جدوجہد اور کوشش۔ 3۔ یہ دونوں کام کسی دنیاوی مفاد اور لالچ کے لیے نہ ہوں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوں۔ اللہ کے ڈر سے ہوں۔ یہ تقویٰ ہے۔

آپ دیکھیے کہ قرآن حکیم نے کتنا واضح انداز میں دین کی اجتماعیت کا یہ کونسپٹ دیا ہے، لیکن آج غفلت کا عالم یہ ہے کہ ہم نے یہ اجتماعیت پس پشت ڈال دی۔ یہ غلامی کے اثرات ہیں۔ ہم آج تک دوسوسالہ غلامی کے اثرات بھگت رہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ وہ غلامانہ ذہنیت کہ جس کے نتیجے میں دوسو سال ہم پر انگریز نے غلامی مسلط رکھی، جس کی منفیّت خود برطانیہ نے محسوس کر کے جنگِ عظیم دوم کے بعد اُس سسٹم کو توڑ دیا۔ وکٹورین کلچر اور طبقاتی نظام، جو ملکہ وکٹوریہ برطانیہ نے بنایا تھا، جس کے نتیجے میں خود برطانیہ زوال پذیر ہوا۔ اور ایک ایک کر کے پوری دنیا کے ملک اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ وہ کلچر اس نے 1945ء میں جنگِ عظیم دوم کے بعد ختم کر کے سارے پروٹوکول ختم کر دیے۔ کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہے۔ ان کے ہاں وزیراعظم کے لیے کوئی لاؤلشکر نہیں۔ باہر نکلتا ہے تو عام انسانوں کی طرح ٹرین کا سفر کرتا ہے۔ اس کا چالان بھی ہوتا ہے۔ وہ ڈسپلن توڑے تو اُس کی سزا بھی ہے۔ کوئی پارلیمنٹ کا ممبر، کوئی جج، کوئی بیوروکریٹ، کوئی افسر، ملک کا کوئی وزیراعظم قانون سے بالاتر نہیں۔ اور ہم جو دوسو سال تک غلامی کے رسیا رہے، ہم نے وہ وِکٹورین کلچر آج ستر سالوں میں بھی اپنی سوسائٹی کا حصہ بنائے رکھا۔ تو غلامی کی اس سے بڑی بدتر شکل اَور کیا ہوگی؟

بہ ظاہر غلام نہیں بھی ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو اس نظام کے غلام بنائے ہوئے ہیں۔ ان بیڑیوں میں کَسے ہوئے ہیں کہ بیڑیاں، بیڑیاں لگانے والے نے کھول بھی دیں اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی نہیں کھولیں۔ یہ غلامی کے اثرات ہیں۔ یہ اجتماعیت کے نظریے کا نہ ہونا ہے۔ یہ انفرادیت کی سوچ پر مبنی ظالمانہ نظام کے اثرات ہیں۔ جب تک ہمارے دماغوں سے یہ اثرات کھرچ کر پھینک نہیں دیے جاتے، آزادی اور حریت کا وہ نظریہ جو دین اسلام نے اجتماعیت کی اساس پر دیا ہے، وہ ہمارے دل و دماغ پر حاوی نہیں ہوتا، نہ دنیا کی ترقی ہے، نہ آخرت کی۔ اس لیے اپنی سوچ بدلیں۔ نظریہ بدلیں۔ دین کے اجتماعی تصور کو پیش نظر رکھیں۔ اجتماعی طاقت، دین کو بہ طور سسٹم کے اپنانے، اس کو غالب کرنے اور غلامی کے ہر سسٹم کو توڑنے کی سوچ اور نظریے پر تنظیم پیدا کرنے سے کامیابی ہے۔ اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم

خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

رشتہ دار

جولوگ ہمارے عزیز واقارب ہیں، اُن کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا، نیک سلوک کرنا اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کرنا بڑی اچھی بات اور نفع کی چیز ہے۔

قرآن پاک میں آتا ہے:

''اور رشتہ داروں کو اُن کا حق ادا کرو'' (26:17)

رشتہ داروں کو بھوک کے وقت کھانا کھلانے کی بڑی تعریف کی:

بھوک کے دن یتیم رشتہ داروں کو کھانا کھلانا۔'' (14-15:90)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے رسولؐ نے فرمایا:

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی روزی میں کشادگی ہو اور اس کی عمر میں زیادتی، تو اسے چاہیے کہ وہ رشتے داروں کے ساتھ سلوک کرے۔'' (بخاری)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''اس قوم پر رحمت نہیں اُترتی، جس میں رشتہ کاٹنے والا ہو۔''

ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا:

''احسان رکھنے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا، یہ تینوں جنت میں نہیں جاسکیں گے۔'' (نسائی)

حضرات صحابہ کرامؓ اپنے رشتہ داروں کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔

حضرت مسطح، حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے۔ آپؓ نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا دیا تو اس کو انھوں نے اپنے ایک کافر بھائی کے پاس بھیج دیا، جو مکہ میں رہتا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے اپنے ایک یہودی رشتہ دار کے لیے ایک جائیداد کی وصیت کی تھی۔

حضرت زینبؓ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ ان کی تعریف میں کہتی تھیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر زیادہ دین دار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچی اور رشتہ داروں کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک کرنے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔

عزیزو! ہمارے سردار وآقاؐ کی چالیس حدیثیں ختم ہوگئیں۔ ان کو یاد کرو اور ان پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ وہ سب کے گناہوں کو بخشے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین یارب العالمین!

فکرِ سعید — اَخذ وترتیب: حافظ محمد شفیق، لاہور

افادات

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ

☆ جب زوال آتا ہے تو اس وقت صورتِ حال یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں دین کا مکمل فہم اور دین کا جامع نظریہ نہیں رہتا۔ وہ دین کے کچھ حصے کو ہی دین کامل سمجھ کر عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح اپنے آپ کو دین دار سمجھنے لگ جاتے ہیں، لیکن جو قرآن مجید چاہتا ہے، اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے قومیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ دین کے تین شعبے ہیں: شریعت، طریقت اور سیاست۔ شریعت میں دو طرح کے احکامات ہیں: ایک اللہ کی معرفت اور اس کے حقوق، یعنی حقوق اللہ۔ دوسرا انسانی حقوق، یعنی حقوق العباد۔ گویا کہ شریعت ان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق کو مانا جائے، لیکن انسانی حقوق کو سیاست سمجھ کر چھوڑ دیا جائے تو عدل کی رہنمائی ختم ہو جاتی ہے۔

☆ جب دین کی سیاست نہ رہے گی تو معاشرے پر ظالموں کا غلبہ ہو جائے گا۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں فساد ہوگا۔ مذہبی لوگ ان کی سیاست کے تابع ہو کر فیل ہو جائیں گے۔ جب تک دین کے تمام شعبوں کے قیام کی جدوجہد کو نیکی نہ سمجھا جائے تو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ''ہم نے ان پر ذلت اور مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا۔'' یہ نہیں ہو سکتا کہ سچی دینی جماعت ہو اور وہ عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو۔

☆ دنیا میں ناکامی کے اسباب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ سمجھنا کہ ہم آخرت پر محنت کر رہے ہیں اور آخرت میں انعام پالیں گے، صرف خوش فہمی ہی ہے۔ جن سے اللہ دنیا میں ناراض ہوں گے، ان کو آخرت میں کب انعام سے نوازیں گے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں خوش ہوتے ہیں تو اس کے نتیجے میں ان کو خلافت عطا کرتے ہیں، تاکہ وہ معاشرے میں عدل قائم کریں۔ اگر وہ قوم عدل چھوڑ دے گی، اس میں اچھے اَخلاق باقی نہ رہیں گے، اس سے خلافت چھن جائے گی اور وہ غلام ہو جائے گی۔ (عزم نمبر 112۔ جولائی اگست 1992ء)

☆ میرے عزیزو! اٹھو! حالات کو سمجھو۔ مسجد کو نہ چھوڑو، لیکن تفرقہ ختم کرو۔ مشترکہ اعلیٰ مقاصد اپناؤ۔ اپنی طاقت کو ضائع نہ کرو۔ آلہ کار نہ بنو۔ جذباتی مت بنو۔ جذباتی نعرے مت قبول کرو۔ ذمے داری کی سوچ پیدا کرو۔ علم اور عقل کے ہتھیار اپنے ہاتھ میں لو اور آگے نکلو۔ جو نوجوان باشعور ہوتا ہے، وہ قوموں کے رُخ تبدیل کر دیتا ہے۔ دشمن کی گہری چالوں کو گہرائی اور عقل کی خوردبینی سے سمجھو۔ باشعور نوجوان کی قیادت ملک وقوم اور دین کے لیے فریضۂ اوّل ہے۔

(عزم نمبر 77۔ اپریل 1988ء)

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

الصدر الشہید شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ عبدالغنی دہلویؒ کے صاحب زادے اور امام الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پوتے تھے۔ ان کی ولادت 12/ ربیع الثانی 1193ھ/ 26/ اپریل 1779ء کو دہلی میں ہوئی۔ امیر المجاہدین حضرت سیّد احمد شہیدؒ سے تقریباً 7 سال بڑے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ ان کی عمر 10 سال کی تھی جب شاہ عبدالغنی دہلویؒ کا 1789ء میں وصال ہوگیا۔ والد کی وفات کے بعد کفالت کی ذمہ داری ان کے تایا حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے اٹھائی۔ درسی کتابوں کی تعلیم بھی انھیں سے حاصل کی اور حدیث کی سند حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حاصل کی۔

قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ علم ریاضی، فلسفہ و تاریخ اور جغرافیے میں بھی مہارت حاصل کی۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تمام کتب کی تحصیل امام شاہ عبدالعزیزؒ سے کی۔ انھوں نے دہلی میں اپنی ایک خاص جماعت بھی تیار کرلی، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بتائے ہوئے طریقوں؛ خاص طور پر ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالغہ'' پر عمل کرے۔ اسی دوران انھوں نے سپاہیانہ فنون میں بھی مہارت حاصل کرلی تھی۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے دہلی کے تمام حلقوں میں اپنی غیر معمولی ذہانت کی وَجہ سے شہرت حاصل کرلی تھی۔ انھوں نے اپنے اَسلاف کی تعلیمات اور اوصاف کی نہ صرف حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، بلکہ اپنے بے پناہ عمل سے اس میں انتہائی اضافہ بھی کیا۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بہ قول: ''امام شاہ ولی اللہؒ نے خیر القرون کے علوم تحریر کیے ہیں اور خواص کو پڑھایا۔ اس کے بعد امام عبدالعزیزؒ نے خواص کو تعلیم دے کر انھیں عوام کی تعلیم کا واسطہ بنایا۔ الصدر الشہیدؒ نے ہند کی مرکزی سوسائٹی کو ان علوم سے رنگین بنایا۔ اگر الصدر الشہیدؒ کے ساتھیوں کی خدمات مقبول نہ ہوتیں تو امام ولی اللہؒ کے علوم پر 200 برس بعد آج بحث کرنا ناممکن ہوجاتا۔''

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ولی اللّٰہی تحریک کے دو بورڈ بنا دیے تھے۔ نظریاتی اور فکری وِنگ کی کمانڈ امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو سونپی اور عسکری امور کی انجام دہی کے لیے حضرت سیّد احمد شہیدؒ کو امیر مقرر کیا گیا۔ عسکری وِنگ میں مشیر کے طور پر شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ کو نامزد کیا گیا۔ اس جماعت نے ولی اللّٰہی افکار پر قومی تحریک کا آغاز کردیا اور پورے ہندوستان میں جماعت سازی کے لیے دورے کیے گئے۔ رابطوں کا ایک منظّم سلسلہ شروع کیا گیا۔ جب مختلف شہروں اور قصبوں میں مجاہدین کی جماعتیں قائم ہوگئیں تو کامل سوچ بچار کے بعد سرحد کے علاقے میں جہاد کے آغاز کا فیصلہ کیا گیا۔

1825ء میں دیوبند، پانی پت، کرنال سے مالیرکوٹلہ پہنچے۔ وہاں سے بہاول پور، حیدرآباد، پیر جو گوٹھ، شکار پور، کوئٹہ، پشین، قندھار اور کابل کے راستے پشاور سے نوشہرہ گئے۔ اس دوران باقاعدہ تنظیم سازی کی گئی۔ ہر ضلع، صوبے اور قصبات میں مراکز بنائے گئے اور عہدے دار مقرر کیے گئے۔ 20/ دسمبر 1826ء کو ہندوستان میں انگریزوں کے آلہ کار سکھوں کے خلاف جہاد کی بنیاد رکھی۔ امیر الشہیدؒ نے جو امور سرانجام دیے، ان میں سرحد کے لوگوں کو سیّد احمد شہیدؒ کی امارت کو قبول کروانا، جہاد سے متعلق علمی، سیاسی اور دینی وضاحتوں کا بیان، ضلع ہزارہ میں تنظیم سازی کا کام، شنکیاری کے مقام پر سکھوں کی عبرت ناک شکست، جہاد کے میدان میں نظم و ضبط کے ساتھ دیگر احباب کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنا اور قبائلی عمائدین سے گفتگو اور جماعتِ مجاہدین کے لیے حمایت حاصل کرنا شامل تھا۔ سیّد احمد شہیدؒ گو کہ اعلیٰ درجے کے روشن دماغ اور مدبر تھے، لیکن آپؒ کی ہمت میں جان ڈالنے والے اور آپؒ کی تدابیر میں نئی بات پیدا کرنے والے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحئیؒ ہی تھے۔

افغانی قبائل کی آپس کی دشمنیوں کی وَجہ سے بھی اس تحریک کو نقصان پہنچا، لیکن صبر آزما کاوشوں کے بعد اس جماعت نے جنوری 1827ء میں پشاور کے قریب ''پنجتار'' میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس حکومت کے امیر المؤمنین حضرت سیّد احمد شہیدؒ تھے، جب کہ مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ ان کے وزیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس دوران انگریز نے پشتو بولنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانے کی کوشش کی۔

سکھوں کے خلاف اس تحریک کی کامیابیوں کا سلسلہ بڑی خوبی سے جاری رہا۔ دہلی کی مرکزیت سے شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے اس تحریک کی ہر ممکن مالی اور افرادی قوت کی فراہمی میں مدد کی۔ مربوط انداز میں تحریک کو محض اس مقصد کے لیے انجام دیا گیا، تاکہ ظالم انگریز بدیسی حکمرانوں سے وطن عزیز کو آزاد کرایا جاسکے۔ انگریزوں کی جانب سے اس تحریک کو ناکام بنانے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ چناں چہ 1831ء میں یہ حکومت سب سے پہلے اس وقت کمزور ہوئی جب انگریزوں کی سازش کی وَجہ سے حکومت کے امور سرانجام دینے والی جماعتوں نے ان قاضیوں اور قائدین کو شہید کردیا، جنھوں نے خدمتِ دین کے لیے اپنا وطن چھوڑا تھا۔ اس حکومت کو دوسرا دھچکا اس وقت لگا جب بالاکوٹ میں شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں سیّد احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا محمد حسنؒ سمیت مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوگئی۔ اس مجاہدِ اعظم اور مجددِ دوراں نے اپنے متعدد رفقا کے ساتھ 24/ ذوقعدہ 1246ھ/ 6/ مئی 1831ء کو بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں سے جنگ کرتے ہوئے 53 سال کی عمر میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

الصدر الشہیدؒ بہترین مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں ردّ الاشراک، تقویۃ الایمان، منصبِ امامت، صراطِ مستقیم، العبقات، حقیقتِ تصوف اور اصولِ فقہ کے ساتھ ساتھ فارسی اور اردو زبان میں شاعری کے مجموعے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابرین کے جدوجہد کردار کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

نعتیہ کلام — وسیم اعجاز، کراچی

اے شاہِ اُممؐ!
تیری ہی اب بات چلے گی

اے شاہِ اُممؐ! تیری ہی اب بات چلے گی
اس در سے ہمیں رحمت و شفقت ہی ملے گی

وہ رحمتِ عالمؐ ہیں ، وہی حاصلِ ہستی
اللہ کی رحمت تو محمدؐ سے ملے گی

اے نورِ بے مثال! تیری راہبری کی خیر
ظلمت کی سیاہ رات تو سیرتؐ سے ٹلے گی

یوں نعرے لگانے سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا
طبقات کی تقسیم مٹانے سے مٹے گی

بس ایک ہی صورت سے ہے اظہارِ محبت
گفتار جو کردار کے سانچے میں ڈھلے گی

میں ان کے سراپے کو بھلا کیسے لکھوں گا
جب اِذنِ خدا ہوگا تبھی بات بنے گی

آدابِ محبت کا ہمیں ہوش کہاں ہے
جب ہوش میں آئیں گے تو پھر بات بنے گی

ہر وقت شفاعت کے طلب گار رہے ہیں
قرآں پہ عمل ہوگا تو تسکین ملے گی

دنیا میں وسیم انؐ کا ہے اعجاز یگانہ
جو راہ سے بھٹکے ہیں ، انھیں راہ ملے گی

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

ازحضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال آج کل دوسرے ملکوں میں خصوصاً عرب اور یورپین ممالک میں روزگار کے لیے جانے کا عام رُجحان ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ کسی ملک میں بغیر ویزے کے سرحد عبور کر کر لی جائے بعد میں کاغذات مکمل کر لیے جائیں؟ یعنی کیا دھوکے سے کسی ملک کی قومیت حاصل کرنا جائز ہے۔

جواب اقوامِ متحدہ کے ذریعے ملکوں کی حدود کے متعین ہوجانے کے بعد ان ملکوں کی عوام پر ویزے کی پابندی لازم ہوجاتی ہے۔ بغیر کاغذات کے حدود کا کراس کرنا دوسرے ملک کی حدود میں مداخلت شمار کی جاتی ہے۔ لہٰذا محض روزگار کی خاطر دوسرے ملکوں میں خطرات کے پیشِ نظر سفر مناسب نہیں۔ اس سے ملک اور ملت دونوں کی بدنامی ہے۔ اسلام کے اندر دھوکا دہی حرام ہے۔ دھوکے سے کسی ملک کی قومیت حاصل کرنا درست نہیں۔

سوال ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ.'' (الحدیث، بخاری) (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) اس حدیث میں اعمال کے اندر نیت کا کیا مفہوم ہے۔ نیت کس طرح کی جائے؟

جواب نیت دل سے کسی کام کے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ دین کے کاموں میں نیت میں تین چیزیں ضروری ہیں:

1۔ اس کام کی معرفت، جس کے کرنے کا ارادہ ہے۔ (مثلاً ظہر کی نماز یا عصر کی نماز)

2۔ اس بات کا علم ہونا کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔

3۔ عبادت اور بندگی کرنے میں صرف اللہ کے حکم کی موافقت اور رضا مندی مطلوب ہو۔ (المُسوّٰی شرح المؤطا، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ طبع بیروت، ج1، ص8)

اس طرح نیت کرنے سے جائز اور مباح، یہاں تک کہ گھریلو امور یا اجتماعی مشاغل، کاروباری اور معاشرتی معاملات سب عبادت بن سکتے ہیں۔

سوال موبائل پر قرآن پاک کی تلاوت جائز ہے یا نہیں؟ جواز کی صورت میں موبائل پر قرآن پاک پڑھنے کے کیا آداب ہیں؟

جواب موبائل پر قرآن پاک کی تلاوت جائز ہے۔ اس کے بھی وہی آداب ہیں جو مصحفِ قرآنی پر تلاوت کرنے کے ہیں۔

سوال اگر ایک شخص صاحبِ نصاب ہے۔ قربانی واجب ہونے کے باوجود تینوں ایام میں قربانی نہیں کی، اب وہ کیا کرے؟ محمد عرفان، گوجرانوالا

جواب قربانی کرنے میں سستی پر توبہ واستغفار کرے، اور قربانی کے اوسط جانور یا حصے کی مقدار مساکین پر رقم صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر جانور خریدا ہوا تھا، لیکن ذبح نہیں کیا تو وہ جانور ہی ذبح کر کے صدقہ کر دے اور خود نہ کھائے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔